ریحانہ آفتاب

www.PakiBooks.Site

"اشمل!"

وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی جب رمشا کی پکار پہ چونک کر اس نے نل بند کر کے برتن رکھے اور لاؤنج میں چلی آئی۔

"کہاں رہ گئی تھیں۔ کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔" رمشا اسے دیکھتے ہی دہائی دینے لگی۔ وہ لاؤنج میں کپڑے پھیلائے بیٹھی تھی جو وہ رمضان سے پہلے اور کچھ روزوں میں شاپنگ کے دوران لیتی آئی تھی۔

"افطار کے برتن دھو رہی تھی۔" وہ ہاتھ خشک کرتی لاؤنج کے صوفے پر ٹک سی گئی۔

"اب تمہاری طرح تو ہے نہیں، فارغ فالتو، ہر گھڑی کام میں لگی رہتی ہے۔" انجم بیگم نے اس کے بکھرے پھیلاوے پر اک تنقید بھری نظر ڈالی۔

"جانتی ہوں آپ کی بہو بڑی سگھڑ ہے۔ بار بار جتایا مت کریں۔" وہ منہ بنا کر کہہ گئی تو انجم بیگم نے بھی سر جھٹکا۔

"اچھا یہ بتاؤ، کس لیے آواز دے کر بلایا ہے۔" اس سے پہلے کہ اسے لے کر دونوں کے بیچ کوئی تلخ کلامی ہوتی۔ اشمل نے حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی روک دیا۔

"یار یہ بلو سوٹ تم سلوالو، میرے پاس عید کے لیے بہت سارے سوٹ ہو گئے ہیں۔" حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے رمشا نے بلو ڈیزائنر سوٹ کا پیکٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

"میں لے لوں.....؟ لیکن کیوں.....؟ ابھی زیادہ سوٹ ہو گئے ہیں تو بعد کے لیے اٹھا کر رکھ دو، پھر کبھی سلوالینا۔" سوٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے بنا اشمل نے صلاح دی، اچھا خاصا مہنگا اور ڈیزائنر جوڑا تھا۔

"میں بعد میں بھی نہیں سلواؤں گی۔ مجھے سوٹ پسند نہیں آیا۔" رمشا نے ناک چڑھا کر سوٹ کا پیکٹ اشمل کی گود میں دھر دیا۔

"پاگل ہو، اتنا تو پیارا سوٹ ہے اور پھر اس سے ملتا جلتا سوٹ تائی جان میرے لیے بھی لائی ہیں۔ میں وہ بھی سلوا رہی ہوں۔ یہ تم ہی سلوالو۔" اشمل نے انکار کرنے کے ساتھ صلاح بھی دے دی۔

"تمہیں نہیں سلوانا ہے تو بول دو۔ میں کام والی کو دے دوں گی۔"

"توبہ ہے رمشا!" اشمل نے سوٹ رکھ لینے میں ہی عافیت جانی اور روز دیدہ نظروں سے انجم بیگم کو دیکھنے لگی جو ناک پر موجود چشمہ اوپر نیچے کر کے مجذب عدسے کے پیچھے سے اکلوتی بیٹی کو گھور رہی تھیں۔

"ہاں، ماں کی پیار سے لائی ہوئی چیز اتنی ہی تو غیر اہم ہے کہ پسند نا آنے پر کام والی کو دے دو..... اشمل تم ہی یہ جوڑا سلوالو، اور اب سے میری تو بہ جو میں تمہارے لیے محبت سے کچھ پسند کر کے لے آؤں۔" انجم بیگم نروٹھے لہجے میں کہہ کر اٹھیں اور یہ جا وہ جا۔

بہت بری بات ہے رمشا۔ کیا تھا جو تم تائی جان کا دل رکھنے کے لیے ہی سوٹ سلوا کر پہن لیتیں۔ وہ خوش ہو جاتیں۔ کتنے پیار سے لے کر آئی تھیں ہم دونوں کا سوٹ۔"

انجم بیگم خفگی کا تاثر دیتی چلی گئیں تو اشمل ناصحانہ انداز میں اسے سمجھانے لگی۔

یار تمہیں تو پتا ہے میں کتنی چوزی ہوں۔ جو چیز پسند نا آئے اسے استعمال کرنا تو دور کی بات، دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی۔ خود اپنی لائی ہوئی اکثر چیزیں واپس کروا دیتی ہوں۔"

رمشا نے اپنی مجبوری بیان کی جو کسی حد تک ٹھیک ہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ایسی تھی۔ کسی کی لائی چیزیں اسے کم ہی پسند آتی تھیں حتیٰ کہ گفٹ بھی۔ اکثر دوستوں سے ملنے والے گفٹ کسی نا کسی کو بانٹ دیتی تھی۔ جیسے ابھی ماں کا پیار سے لایا ہوا جوڑا

اٹھا کر اس نے اشمل کو تھما دیا تھا۔

"تائی جان کو دکھ ہوا ہے۔ ان کا دل رکھنے کے لیے ہی سلوالیتیں۔" اسے افسوس ہو رہا تھا۔

"ماں ہیں میری، نہیں ٹوٹا ان کا دل، ابھی منالوں گی۔" رمشا نے لاپروائی سے کہا۔

"صبح ٹیلر کو کپڑے دینے جاؤں گی۔ تم بھی اپنے کپڑے نکال لینا۔ ساتھ ہی دے دیں گے۔"

رمشا نے صبح کا پلان بتایا تو وہ سر ہلا کر اتفاق کر گئی۔ اس کا دل انجم بیگم کی طرف لگ گیا تھا کہ شاید وہ خفا ہوں گی۔ لیکن جب تھوڑی ہی دیر بعد رمشا انجم بیگم کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھی انہیں منا رہی تھی۔ اور انجم بیگم جھوٹی خفگی سے اسے پرے کر رہی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر اس کے لبوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں میں پانی بھی آ گیا۔ جسے چھپانے کو اس نے کئی بار غیر محسوس طریقے سے پلکیں خشک کیں۔ مگر ضبط محال ہوا تو بہانے سے اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگی۔ تنہائی پا کر آنسو تیزی سے عارضوں پر پھیل گئے۔

"اشمل! رو کیوں رہی ہو؟"

علی زریون اس لمحے نماز عشا اور تراویح سے فارغ ہو کر لوٹا تھا۔ بلیک کرتا شلوار میں بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اشمل کو روتے دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بے طرح گھبرا کر تیزی سے آنسو خشک کرنے لگی۔

"کیا ہوا، کسی نے کچھ کہا تم سے؟" وہ فکر مندی سے اس کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کر کے گلاس کے اس پار دیکھنے لگا۔ جہاں رمشا، انجم بیگم کے ساتھ چپکی بیٹھی غالباً انہیں منا چکی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیا بات ہوگی۔" بے ربط ہو کر وہ الٹا اسی سے پوچھ بیٹھی۔

"پھر رو کیوں رہی ہو؟" وہ بے یقین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی۔ پھر بھی آنکھوں میں آنسو بے وجہ تو نہیں ہو سکتے تھے۔

"بس ایسے ہی آنسو آ گئے۔ آپ ہال میں چل کے بیٹھیں میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ پاس سے گزرنے لگی تھی جب علی زریون نے بازو سے پکڑ کر اسے دیوار سے لگا دیا۔

"جب تک رونے کی وجہ نہیں بتاؤ گی، جانے نہیں دوں گا۔" وہ دو ٹوک لہجے میں کہہ کر اسے ہراساں کر گیا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے گلاس وال کی طرف دیکھنے لگی۔ دونوں ہی ایل ای ڈی کی طرف متوجہ تھیں۔ گو کہ ان کی پشت ان دونوں کی طرف تھی مگر ان کی نظر پلٹ بھی سکتی تھی۔

اس خیال سے ہی اشمل خفیف سی ہو کر علی زریون کی طرف بے نس نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔ گلابی سوٹ میں گھنے بالوں کو چھوٹے سے کیچر میں قید کیے باقی کے بال بائیں شولڈر پر پڑے ہوئے تھے۔ گلابی عارض اور رونے کی وجہ سے مزید گلابی ہوتی ناک کو وہ محبت سے لبریز تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر شرم کی سرخی اشمل کے چہرے پر پھیل گئی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ بس یونہی رونا آ گیا۔ مما کی یاد آ گئی لاامحالہ اس نے جلدی سے سچ اگل دیا تا کہ وہ سامنے سے ہٹے اور اسے جانے کا موقع ملے۔

"مس کر رہی ہو تو کال کر لو۔" اس کی صلاح پر وہ پر درد مسکراہٹ سجا گئی۔ ہر بار کال کر کے پہلے سے زیادہ اذیت ہوتی تھی۔ انہیں فرصت ہی کہاں ہوتی تھی اس سے بات کرنے کی..... پھر سر جھٹک کر بولی۔

"اب اگر آپ کو مجھ پر یقین آ گیا ہے تو میں کچن میں جا سکتی ہوں۔" وہ اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اجازت ہے" وہ ایک طرف ہو کر راستہ دیتے ہوئے مسکرا دیا۔

"چلو میں بھی کچن میں چل کے تمہاری مدد کر دوں۔ تا کہ مجھ پہ بھی الزام لگ جائے زن مریدی کا۔" وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا اور اشمل اس کے سامنے بے ساختہ ہاتھ جوڑ گئی۔

www.PakiBooks.Site

"معاف رکھیں مجھے۔ میں کوئی طعنہ افورڈ نہیں کرسکتی۔" اس کے چہرے پہ شرمگیں تاثرات اور دل فریب مسکراہٹ دیکھ کر علی زریون بھی مسکراتا ہوا لاؤنج کی طرف چلا گیا تھا وہ بھی کچن کو ہولی۔

"رمشا اٹھ کر مدد ہی کروا اشمل کی، میز لگانے میں۔" انجم بیگم نے اسے اکیلے میز لگاتے دیکھا تو پہلو میں گھسی بیٹھی بیٹی کو پرے دھکیل کر اشمل کا ہاتھ بٹانے پر اصرار کرنے لگیں۔

"کرنے دیں اسے اکیلے..... آخر اس نے اس گھر کو سنبھالنا ہے۔ اچھی بات ہے۔ ابھی سے عادت بنے گی۔ میرا کیا ہے۔ میں تو مہمان ہوں۔ چند ماہ کی۔"

رمشا اور پھیل کر بیٹھ گئی تو انجم بیگم اسے گھورتی خود ہی اٹھ گئیں۔

"کام کاج کی پروا نہیں۔ گز بھر کی زبان ہے اس لڑکی کی بس۔" انجم بیگم بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر خود ہی مدد کرنے آ پہنچیں، اشمل تک بھی رمشا کا جملہ پہنچا تھا۔ اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ رمشا کی مزاج آشنا تھی۔ جانتی تھی وہ بہت موڈی ہے۔

"دیکھا بھائی، کتنی محبت ہے ساس بہو میں۔" رمشا علی زریون کو آنکھ سے اشارہ کرتی درحقیقت انجم بیگم کو چھیڑ رہی تھی۔

"دیکھ ہی رہا ہوں۔" وہ بھی اس کے انداز پر مسکرا دیا۔ "مما! پپا کو جلدی بلا کر اپنی بہو کو رخصت کروالیں۔ اور شاندار سا ولیمہ بھی ارینج کرلیں۔"

رمشا بیٹھے بیٹھے ہانک لگا رہی تھی۔ علی زریون اور انجم بیگم کے سامنے ایسی بات پر اشمل کا سر مزید جھک گیا تھا۔

"یہ رمشا، بہت منہ پھٹ ہے۔ بولنے سے پہلے سوچتی نہیں ہے۔" وہ سوچ کے رہ گئی۔

"تمہارے ہوتے تو کبھی رخصت نا کرواؤں بہو کو۔ تم جیسی کام چور نند نے تو میری بہو پر حکم چلا چلا کر اس کی زندگی ہی اجیرن کردینی ہے۔ تمہیں نکالوں گی اس گھر سے تب ہی اشمل کو رخصت کرواؤں گی۔" انجم بیگم نے صاف کہہ دیا۔

رمشا اپنے ماموں زاد سے منسوب تھی شادی عید کے بعد تھی۔ کھانا لگ چکا تھا۔ علی زریون کے ساتھ رمشا بھی آکر کرسی کھینچنے لگی۔

دیکھ لو بھئی، میں تو چاہ رہی تھی تمہیں جلدی رخصت کروالاؤں مگر تمہاری ظالم ساس کو ہی سانس نہیں آرہی۔ بہو کی رخصتی کا سن کر۔"

رمشا ہمدرد بنی، اشمل کے ساتھ انجم بیگم کو بھی چھیڑ گئی۔ علی زریون کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ انجم بیگم نے رمشا کے اک دھپ رسید کیا تھا۔ اشمل کی جھینپی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

☆☆☆

اشمل بڑی خوب صورت، خوش مزاج بچی تھی، اس کی والدہ ثانیہ اور والد احمد میں کبھی نہیں نبھ سکی تھی۔ ثانیہ، احمد صاحب کی تنگی سے نالاں رہتی تھیں جس کی وجہ سے انہیں جی مار مار کے جینا پڑتا تھا۔

احمد صاحب واجبی تعلیم کے باعث کہیں آفس نہیں لگ سکے تھے۔ جس کی وجہ سے معمولی تنخواہ بیوی کے ساتھ گزر بسر کرتے وہ ان کی خواہشات پوری نہیں کرپاتے تھے۔ جب کہ ان کے بڑے بھائی مرتضیٰ اعلا پوسٹ پر فائز تھے۔ ان کے گھر نا صرف خوش حالی تھی بلکہ انجم بیگم کا پہننا اوڑھنا اور گھر میں آسائشات دیکھ کر ثانیہ آئے دن احمد سے لڑتی رہتی تھیں۔

مرتضیٰ اور انجم بیگم نیک فطرت رکھتے تھے۔ احمد کے مالی حالات کا انہیں بخوبی اندازہ تھا۔ تب ہی دونوں کسی نا کسی بہانے سے کوئی نا کوئی چیز بطور تحفہ دے دیا کرتے تھے۔ مگر ثانیہ کو اور زیادہ چاہیے تھا۔

اشمل کی پیدائش بھی ہوگئی لیکن ان کے جھگڑے ختم نا ہوئے۔ مرتضیٰ اور انجم کے بچے اولیول اسکول میں جانے لگے اور اشمل معمولی اسکول میں۔

انجم اور مرتضیٰ نے اشمل کی پڑھائی کا خرچا اٹھا کر اس کا داخلہ بھی اپنے دونوں بچوں علی زریون اور رمشا کے ساتھ کروانا چاہا تھا۔ مگر احمد مزید ثانیہ کے طعنے نہیں سننا چاہتے تھے کہ وہ بھکاری ہیں اور ان کے بھائی، بھابھی انہیں بھیک دان کرتے رہتے ہیں۔ احمد نا مانے تو وہ دونوں بھی چپ ہوگئے۔

اشمل پانچویں میں تھی۔ جب اک دن معمولی سی بات پر شروع ہونے والی لڑائی اس قدر بڑھی کہ احمد صاحب نے غصے میں ثانیہ کو تین طلاق دے دی۔ اشمل جو بچپن سے اس ماحول کا حصہ رہ کر ڈری سہمی فضا میں پروان چڑھ رہی تھی اس حادثے سے مزید ہراساں ہوگئی۔ ثانیہ روٹھ کر اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔

انجم بیگم اور مرتضیٰ نے احمد صاحب کو بہت برا بھلا کہا۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ چھوٹی سی اشمل کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ انجم بیگم اسے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں لیکن احمد صاحب اپنی بیٹی کی ذمہ داری خود اٹھانا چاہتے تھے۔

عدت کے بعد ثانیہ نے پیسے والے سے شادی کرلی تھی۔ شروع شروع میں وہ اشمل کو فون کرلیتی تھیں لیکن رفتہ رفتہ اس میں بھی کمی آنے لگی۔ اور شادی کے بعد تو وہ بھول ہی گئیں کہ ان کی ایک بیٹی پہلے شوہر سے ہے۔ ان کے تین بچے ہوگئے تو انہیں اشمل کی یاد بھی بھولنے لگی۔ کبھی کبھی وہ خود ہی کال کرلیتی تھی اور ہر بار مزید دکھی ہوجاتی تھی کہ ان کے شوہر کو پسند نہیں تھا کہ وہ سابقہ شوہر کی بیٹی سے تعلق رکھے۔ خواہ فون پہ ہی۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں بات کرتی تھیں یا کبھی بچوں کے کام کا بہانہ بنا دیتی تھیں۔ اور اشمل ان کے لہجے اور انداز میں ممتا کی گرم جوشی ڈھونڈتی ہی رہ جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ اشمل کو بھی سمجھ میں آنے لگا تھا کہ ان کی خوش گوار زندگی میں اشمل کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔

چھوٹی سی اشمل اور طویل زندگی کی آڑ میں احمد صاحب نے دوسری شادی کا فیصلہ کرلیا۔ نعیمہ ان کی دوسری بیوی تھیں۔ جنہوں نے آتے ہی گھر میں یہ سکہ ایسا جمایا کہ احمد بھی ان کی مٹھی میں ہوگئے۔

انجم بیگم اور مرتضیٰ کو اشمل سے بہت لگاؤ تھا۔ نعیمہ کے آنے اور ثانیہ کی شادی کی خبر کے بعد انجم نے اشمل کو ساتھ رکھنا چاہا تھا۔ مگر احمد کو ایک بار پھر گوارا نہ ہوا کہ ان کے جیتے جی ان کی بیٹی بھائی کے گھر پلے۔

انجم اور مرتضیٰ کے دو بچے تھے۔ بڑا علی زریون اور اس سے چھوٹی رمشا جو اشمل کی ہم عمر تھی اور دونوں میں خوب دوستی تھی۔ علی زریون کو اشمل بچپن سے پسند تھی۔

نعیمہ روایتی سوتیلی ماں تھیں۔ شروع میں تو انہوں نے احمد صاحب اور دنیا دکھاوے کو اپنے کردار میں رنگ گھولنے کے لیے اشمل سے جھوٹی محبت کے مظاہرے کیے۔ مگر جب ان کے اوپر تلے کے چار بچے آگئے تو اشمل فقط آیا بن کے رہ گئی۔ پڑھائی کے ساتھ وہ گھر کے کام بھی کرنے لگی، ساتھ ہی بہن بھائیوں کی دیکھ بھال، انہیں نہلانا، کھلانا پلانا، پڑھانا جیسے اس کی ذمہ داری بن گئی۔ احمد سب دیکھتے تھے مگر کچھ کہتے نہیں تھے کہ ان کی نظروں میں وہ اپنے بہن بھائیوں کی ہی خدمت کررہی تھی۔ اس میں کون سی کوئی معیوب بات تھی۔ جس کے لیے وہ کوئی ایکشن لیتے۔ سوتیلے بہن بھائیوں کی خدمت کرتے اس کا اپنا بچپن کہاں کھو گیا؟ وہ جو پڑھائی میں بے حد اچھی تھی۔ پڑھنے کے لیے وقت نا ملنے پہ اس کے مارکس کم آنے لگے پھر بھی احمد صاحب کو احساس نا ہوا۔ الٹا نعیمہ، پڑھائی میں اس کا دل نہیں لگتا کی اٹھتے بیٹھتے گردان کرکے اس کی پڑھائی کا سلسلہ رکوانے کے درپے ہوئیں تو اس نے ڈرتے ڈرتے انجم بیگم سے اپنے حالات بیان کیے۔ انہوں نے احمد صاحب کو احساس دلایا۔ یوں پڑھائی کا سلسلہ بند ہونے سے رک گیا۔ لیکن نعیمہ کو اشمل کا انجم بیگم کو سامنے لانا اچھا نہیں لگا۔ احمد بھابھی کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس لیے نعیمہ کھل کر ان کے خلاف کچھ نہ بول سکیں۔

وقت بدلتا رہا۔ اشمل کالج میں آگئی تھی۔ اب وہ اپنی ذمہ داریوں کے بیچ پڑھائی کے لیے وقت نکال

www.PakiBooks.Site

لیتی تھی۔ اشمل کے لیے جب اچھا رشتہ آیا۔ اور نعیمہ نے اسے اپنی بیٹی کی طرف موڑ دیا تو انجم بیگم کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ نعیمہ ساری زندگی اسے نوکر بنا کر گھر بٹھا کر رکھنا چاہتی ہیں۔

انجم بیگم اک بار پھر اس کی ڈھال بن گئیں۔ اب کے نعیمہ بھی کھل کر سامنے آگئیں کہ وہ ان کے گھر کے معاملات میں دخل نا دیں اور یہ کہ لڑکے کی فیملی نے ان کی بیٹی کو پسند کیا ہے۔ بھلے وہ اشمل کو دیکھنے آئے تھے۔ انجم بیگم نے احمد صاحب سے اصرار کیا کہ وہ اسی وقت اشمل کو ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔ تاکہ نعیمہ کی بیٹیوں کے رشتے میں کوئی رکاوٹ نا آئے۔

احمد صاحب بھائی اور بھابھی کے مطالبے پر چپ رہ گئے لیکن نعیمہ نے نیا ڈرامہ شروع کردیا کہ وہ جوان لڑکی کو کیسے جانے دیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ ان کی لن ترانیوں سے اپنے بیٹے علی زریون سے اسی وقت نکاح طے کردیا تھا۔ نعیمہ مزید جل گئیں کہ علی زریون کے لیے انجم بیگم کو ان کی بیٹیاں نظر نا آئیں۔ احمد صاحب بھی بھائی بھابھی کی فرمائش پر خوش ہوگئے کہ علی زریون انہیں بھی بہت پسند تھا۔

علی زریون جو اشمل کی محبت میں پور پور ڈوبا ہوا تھا۔ یوں آسانی سے دلی مراد پالینے پر بے حد خوش تھا۔

اک خوب صورت سی شام میں دونوں کا نکاح ہوگیا۔ انجم بیگم اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ نعیمہ نے اس عمل کا بھی بائیکاٹ کیا کہ رخصتی اور ولیمے کی تقریب انجم بیگم، رمشا اور اشمل کے امتحانات کے بعد کرنا چاہتی تھیں۔ مرتضٰی صاحب کو بھی کام کے سلسلے میں کئی ماہ شہر سے باہر رہنا تھا۔ ان ہی اسباب کے بنا پر رخصتی کی تاریخ چند ماہ بعد کی رکھی گئی تھی۔

نعیمہ چاہتی تھیں کہ اشمل مزید ان کی خدمت کرے اور کسی طرح موقع نکال کر وہ علی زریون سے طلاق دلوادیں۔ مگر انجم بیگم کے فیصلے پر وہ بازی ہار بیٹھی تھیں۔ یوں ماں باپ کے ہوتے ہوئے اشمل تن کے جوڑوں میں لاوارثوں کی طرح انجم بیگم کے ساتھ ان کے گھر آگئی۔ جہاں رمشا تھی جو اس کی بے حد اچھی دوست تھی۔ اس کے حق کے لیے ساری زندگی بولنے والی انجم بیگم تھیں۔ جن کی بے لوث محبت نے اسے رلنے سے بچالیا تھا۔ وہ اس کا ماضی تو نہیں بدل سکتی تھیں مگر اس کا حال اور مستقبل انہوں نے خوش گوار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آنکھوں میں محبت بسائے علی زریون تھا جس کی منکوحہ کی حیثیت سے وہ اس گھر میں رہ رہی تھی۔

ڈھکے چھپے لفظوں میں وہ پہلے ہی اپنی پسندیدگی سے آگاہ کرچکا تھا۔ اور اب جب وہ اس کی منکوحہ تھی تو وہ اپنے دلی جذبات اس پر عیاں کرگیا۔

اشمل درحقیقت خود کو خوش قسمت تصور کرنے لگی تھی۔ بچپن اور لڑکپن سوتیلی ماں کے زیرسایہ صعوبتوں میں گزار کر یہ پل اسے اپنا انعام لگتے تھے لیکن ساتھ ہی اس کا دل اداس ہوجاتا تھا۔ والدین کی علیحدگی نے اسے کن کن حالات سے گزارا تھا۔

احمد باپ تھے مگر نئی بیوی کو پاکر اس سے غافل ہوگئے تھے۔ اس کے حق میں کبھی بولنا بھی چاہتے تھے تو نعیمہ کے ڈر سے چپ رہ جاتے تھے۔ ثانیہ اپنی زندگی میں مگن تھیں۔ والدین کی محبت سے بھرے پل اس کے حصے میں نہیں آئے تھے...... کیا تھا جو اس کے والدین الگ نا ہوتے ...... کیا ہوتا جو ثانیہ اسے فراموش نا کرتیں۔ کیا تھا جو نعیمہ اسے بھی اپنے بچوں میں شمار کرتیں!

انجم بیگم اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ رمشا آج بھی بہترین دوست تھی اور علی زریون اب پہلے سے زیادہ اس کی پروا کرتا تھا۔

☆☆☆

ان کے فائنل پیپرز شروع ہوکر ختم ہوگئے تھے۔ مرتضٰی بھی اپنے سارے کام نبٹا کر لوٹ آئے تھے۔ یوں دو دو شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں کہ انجم بیگم اور مرتضٰی بہتر سے بہترین چیزیں رمشا کے لیے پسند کررہے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور وہ اس میں بھی سو سو نخرے کرکے ہر چیز اپنی پسند سے لے رہی تھی۔ فریج سے لے کر پائیدان تک اس نے اپنی مرضی سے لیا تھا۔ اور ان سب کی خریداری میں اس نے انجم بیگم اور اشمل کو بے حد خوار کیا تھا۔ انجم بیگم چند اک بار جا کے آئندہ جانے سے توبہ کرگئیں تو اشمل کی شامت آگئی۔ رمشا ہر جگہ اسے گھسیٹ رہی تھی۔ اور وہ بھی وہ خوش دلی سے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہیں کہیں دل بھی دکھ رہا تھا۔

اس کی شادی بھی رمشا کے ساتھ ہو رہی تھی۔ بھلے نکاح ہوگیا تھا۔ وہ سسرال میں ہی رہ رہی تھی۔ مگر ابھی باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ انجم بیگم اور مرتضٰی نے احمد اور ثانیہ کو الگ الگ شادی کی تاریخوں سے آگاہ کردیا تھا۔ مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ ثانیہ تو مجبوری کا رونا رو رہی تھیں۔ احمد صاحب نے سب سن کر فون بند کردیا تھا۔

"مجھے بے حد حیرت ہوتی ہے۔ مرتضٰی احمد صاحب آپ کا بھائی ہے۔ کس قدر بے حس ہے۔ اسے بیٹی کے جذبات و احساسات کی ذرا پروا نہیں کہ ایک لڑکی شادی کے موقع پر ماں باپ کے لیے کیسے جذبات رکھتی ہے۔ نعیمہ نے تو مت ہی مار رکھی ہے۔ آہ! کاش ثانیہ نے ہی سمجھ داری دکھائی ہوتی تو آج اک گھر بکھرا ہوا نا ہوتا۔"

انجم بیگم، احمد کی خاموشی پر دل کی بھڑاس نکالنے کے ساتھ، ثانیہ کے لیے افسوس کرنے لگیں۔ جنہیں پیسا تو مل گیا تھا مگر وہ دوسرے شوہر کی مرضی کے بنا سانس تک نہیں لے سکتی تھیں۔

"چھوڑو، تم کوئی امید نا رکھو اس کی طرف سے۔" مرتضٰی نے سمجھایا۔

"میں کوئی امید نہیں رکھ رہی احمد کی طرف سے مجھے تو اشمل کے جذبات کی پروا ہو رہی ہے۔ جیسے ہماری رمشا اپنا جہیز اکٹھا کرنے میں سو نخرے کررہی ہے۔ اس بے چاری کے بھی تو سو ارمان ہوں گے۔ ہم جہیز کا لالچ نہیں رکھ رہے لیکن احمد کو تو احساس ہونا چاہیے کہ بیٹیوں کو کیسے رخصت کرتے ہیں کیا اپنی بیٹیوں کو بھی اسی طرح رخصت کرے گا۔"

www.PakiBooks.Site
انجم بیگم کا غصہ کم نہیں ہوا۔

"میں نے شادی کی تاریخیں بتائیں تو کہا بھائی صاحب کارڈ بھیج دیجیے گا۔ ہم آجائیں گے۔" مرتضٰی صاحب نے بتایا تو انجم بیگم نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"یوں مہمانوں کی طرح آنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔" وہ جل کر بولیں۔

اور یہ سب سنتی اشمل دکھی دل اور اداس آنکھوں پر اختیار کھو بیٹھی، ایک لڑکی اس کے ارمان، اس کے والدین کو فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ انہیں سمجھتے۔ شادی اور رخصتی کے وقت لڑکیاں ویسے ہی عجیب احساسات میں گھر جاتی ہیں۔ نئے رشتے انہیں ہراساں کرتے ہیں۔ پرانے رشتوں کے چھوٹنے کا دکھ ہوتا ہے۔ نئی زندگی کے لیے ہزار وسوسے ہوتے ہیں...... لاکھوں کا جہیز اور گھر گاڑی لے جانے والی لڑکیوں کے دل میں بھی کسک ہوتی ہے۔ کہ آیا ان چیزوں کی برتری، بھرم کے باوجود وہ سسرال میں معتبر ہوسکیں گی؟

جب کہ اس کے ساتھ تو ایسا کچھ نہیں تھا۔ یتیم لڑکی کی طرح اس کی رخصتی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جس میں میکے کا نام ونشان تک نا تھا۔ انجم بیگم اس کے لیے خوب صورت بری بنا رہی تھیں مگر سسرالی نوادرات میکے کی کمی تو پوری نہیں کرسکتے تھے۔

رمشا جس مان و محبت سے لڑ لڑ کر جہیز لے رہی تھی علی زریون سے گاڑی کی ڈیمانڈ کررہی تھی۔ اس کے حصے میں تو کچھ نہیں تھا۔ نا بھائی کا مان، نا ماں، باپ کا سایہ۔

آنکھوں کو رگڑتی وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی لیکن دھندلائی آنکھوں سے بری طرح علی زریون سے ٹکرا گئی۔

"سنبھل کے لڑکی!" وہ بے ساختہ اسے تھام کر گرنے سے بچا گیا۔ وہ جلدی سے الگ ہوئی۔

"تم روئی ہو؟" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ لٹوں کو کان کے پیچھے کرتی وہ نظریں چرا گئی۔

www.PakiBooks.Site

www.PakiBooks.Site

"ادھر دیکھو، میری طرف،" بائیں رخسار پر انگلی رکھ کر وہ اس کا رخ اپنی طرف کر گیا۔ وہ پلکیں جھکائے کھڑی رہی۔

"تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو؟"

اکثر ہی اس کی پلکیں نم رہنے لگی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ سوال کر گیا۔

"تمہارے آنسوؤں کی وجہ کیا ہے۔ اگر تمہیں یہ رشتہ دل سے منظور نہیں تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا..... تم اک بار کہہ دو۔ میں سب کچھ ختم کر....."

"پلیز چپ ہو جائیں۔"

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ تڑپ کر بول اٹھی۔ آنسو تیزی سے بہہ نکلے۔ وہ مزید کچھ کہنے کے قابل نا رہی تو آنسو بہانے لگی۔

"جب سے رخصتی کی بات ہوئی ہے تمہاری اداسی بڑھ گئی ہے۔ ہر وقت روتی نظر آتی ہو۔ کیا بات ہے آخر..... بتاتی کیوں نہیں..... اگر اس رشتے میں تمہاری مرضی شامل نہیں تو بھی بول دو..... میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ لیکن تم اس طرح رو دھو کر زبردستی میری زندگی میں شامل ہو گی تو یہ اذیت میری برداشت سے باہر ہو گی۔ میں نے پورے خلوص سے تمہاری چاہ کی تھی۔ اور تم بہت آسانی سے میری منکوحہ بن گئیں لیکن اب تمہارا یہ انداز مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا ہے۔"

وہ پوری سچائی سے کہہ رہا تھا۔ ہزار وسوسے اس کے لہجے میں آ گئے تھے۔ اگر جو اشمل کچھ ایسا ویسا کہتی تو شاید وہ برداشت ہی نا کر پاتا۔ تب ہی اسے جھنجوڑ گیا۔ وہ کوئی جواب نا دے پائی۔ کہتی بھی تو کیا ہر بار مما یاد آ رہی ہیں کہہ کر بھی تھک گئی تھی۔

اسی اثناء میں لاؤنج میں رکھا فون بجنے لگا تھا۔ اسے نظروں میں رکھتے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"اشمل سے بات ہو سکتی ہے؟"

سلام دعا کے بعد دوسرے طرف سے سوال ہو تو علی زریون چونک گیا۔ مقابل مرد تھا۔

"جی ہو سکتی ہے۔ آپ کون؟"

"میں فہد ہوں۔ ذرا جلدی گروا دیں پلیز۔"

دوسری طرف سے شائستہ لہجے میں کہا گیا تھا۔ اسے عجیب نظروں سے دیکھتے پاس کھڑی اشمل کی طرف اس نے فون بڑھا دیا تھا۔

"تمہارا فون!" وہ عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ حیرانی سے اس کی شکل دیکھتے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے گئی۔

"السلام علیکم! اشمل بات کر رہی ہیں۔"

مقابلہ شائستہ لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔ غیر متوقع طور پر مردانہ آواز سن کر اس کی نظریں بے ساختہ علی زریون پر اٹھ گئیں۔ جو اسے باتیں کرتا چھوڑ کر پلٹ گیا تھا۔

"میں آپ کا کالج فرینڈ حرا کا بھائی فہد ہوں۔ ایکچوئلی میں نے حرا کی سرپرائزنگ برتھ ڈے پارٹی ارینج کی ہے۔ اس لیے حرا کے سیل سے اس کی دوستوں کا نمبر لے کر کال کر رہا ہوں۔ تمام سہیلیاں آئیں گی تو حرا بہت خوش ہو گی۔

مقابل اس کے لہجے کی حیرانی جان کر وضاحت کر گیا تو اس کی حیرت بھی رفع ہوئی۔

"آپ کل کی پارٹی میں آئیں گی نا اشمل؟"

وہ مدعو کرنے کے بعد استفسار کر رہا تھا کہ کہیں اس کا سرپرائز کا پلان ٹھپ ہی نا ہو جائے۔

"میں کوشش کروں گی۔" اس نے جان چھڑا کر جلد ہی فون رکھ دیا۔ اس کی نگاہ علی زریون کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ جانے کیا الٹا سیدھا سوچ رہا تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں سحری کی تیاری میں لگ گئی۔

افطار کے بعد نماز مغرب، پھر چائے پھر عشا کی نماز اور تراویح کے بعد کھانے میں اتنا وقت ہو جاتا تھا کہ سحری کی تیاری بھی کچن سمیٹتے ہوئے کر لیتی تھی۔

رمشا ذرا موڈی تھی۔ جب موڈ ہوتا ہاتھ بٹا دیتی تھی۔ ورنہ اپنی تیاریوں میں لگی رہتی۔ ماسی کے

PakiBooks.Site

علاوہ اوپر کی کاموں کے لیے بھی ملازمہ تھی۔ پھر انجم بیگم بھی ہاتھ بٹا دیتی تھیں۔ اشمل کو زیادہ مشکل نہیں ہوتی تھی۔ وہ سمجھ دار لڑکی تھی لیکن حساسیت کی وجہ سے اکثر جذبات کے ہاتھوں بہہ کر اداس ہو جاتی تھی۔ اور اس کی اداسی کو علی زریون کچھ اور ہی معنی پہنانے لگا تھا۔

سحری کے وقت میں وہ روٹھا روٹھا تھا۔ اشمل نے چور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ سحری کر کے نماز کے لیے چلا گیا تھا۔ اگلا دن بھی اس کیفیت میں گزرا تو اشمل کو بے چینی لاحق ہو گئی۔ وہ پہلے ہی محبتوں کی گرمی اور اپنائیت بھرے رشتوں کی ترسی ہوئی تھی۔ ایسے میں علی زریون نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ بھی قابل محبت ہے۔ اس کے رشتے سے بندھ کے وہ معتبر ہو گئی تھی۔ اور اب جب وہ خاموش ہو گیا تو اس کا بے چین ہونا لازمی امر تھا۔ افطاری کے بعد نماز مغرب سے لوٹ کر سب کے درمیان بیٹھنے کے بجائے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اس کی پشت کو دیکھتی وہ خاموشی سے چائے کی ٹرے میز پر رکھ گئی۔

"اشمل! آج کی سحری میں بناؤں گی تم آرام کر لو، دن سے لگی ہوئی ہو۔"

رمشا نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"یہ آج کیسے احساس ہو گیا کہ وہ تھک گئی ہو گی....." انجم بیگم نے جھوٹی خفگی سے دیکھا تو رمشا جھٹائی سے مسکرا دیں۔

"کرنا ہی پڑا۔ جانتی ہوں اب بھی احساس نا کیا تو آپ نے چوٹی سے پکڑ کر مجھے کچن میں کھڑا کر دینا ہے کہ آپ کی بہو لگی ہوئی ہے۔" وہ چڑانے سے باز نا آئی۔

"ہاں تو کہوں گی۔ میرے لیے تم دونوں برابر ہو۔ اک کے ساتھ زیادتی کیسے برداشت کروں۔"

انجم بیگم نے تائید کی تو رمشا "دیکھا" والے تاثرات سجا کر ہنس دی۔

"اشمل! بیٹا، علی کی چائے کمرے میں دے آؤ، ساتھ ہی سر درد کی گولیاں بھی لے جاؤ، کہہ رہا تھا سر میں درد ہے۔ آرام کرے گا۔"

علی زریون کی چائے کو دیکھ کر وہ شش و پنج میں پڑی تھی۔ جب انجم بیگم نے اسے ہدایت کرنے کے ساتھ میڈیسن باکس سے سر درد کی گولیاں بھی نکال کر دیں۔

"نائی جان میں.....!"

وہ تنہائی میں اس کے کمرے میں جانے کے خیال سے تذبذب کا شکار نظر آ رہی تھی۔

"ہاں تو، کیا ہوا.....؟ غیر تھوڑی ہے۔ شوہر ہے تمہارا۔" انجم بیگم نے دیکھ لیا تھا کہ وہ جھجک رہی ہے تب ہی احساس دلایا کہ وہ نامحرم کے پاس جانے کو نہیں کہہ رہیں۔ وہ جھجکتی ہوئی دونوں چیزوں اٹھانے لگی تھی۔

"دل چاہے تو سر بھی دبا دینا۔" پیچھے سے رمشا کی کھلکھلاتی آواز آئی تو اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ آ گئی۔

کسی شام آ میرے محرما!
سبھی راز ہستی بیاں کروں
میری روح کا وہ جو کرب ہے
تیری روح پہ میں عیاں کروں
میرے خانہ دل کو وحشتیں
تیرے دل پہ ساری نہاں کروں
کبھی خود کو کنج سا پھیر دوں
کبھی تجھ کو ورد زباں کرو
کسی شام آ میرے محرما!
میں خود کو تجھ میں فنا کروں

دروازے پر دستک دے کر وہ چند ثانیے کھڑی رہی۔ اندر سے جواب موصول ہونے کے بجائے دروازہ کھل گیا تھا۔ غالباً وہ آرام کی غرض سے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا یا سر میں کچھ زیادہ درد ہو رہا تھا کہ آنکھیں سرخ اور چہرہ ستا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی موجودگی کو اس نے حیرانی سے دیکھا تھا۔ پھر

www.PakiBooks.Site

ہاتھ میں موجود چھوٹی سی ٹرے میں تک دیکھ کر بھی سانس بھر کے ایک ہوگیا۔

"تائی جان نے سردرد کی گولیاں بھیجی ہیں۔ آپ کھالیں۔" اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھ کر وہ بمشکل بولی۔

"جی بہتر" اس نے خشک لہجے میں کہہ کر ٹرے تھام لی۔ "اور کوئی بات" ٹرے تھما کر بھی وہ انگلیاں مروڑتی کھڑی رہی تو اسے ناچار پوچھنا پڑا۔ اب وہ اس کے منہ پر تو دروازہ بند نہیں کرسکتا تھا۔

"آپ ناراض ہیں، مجھ سے......؟" وہ جھجکتی ہوئی استفسار کررہی تھی۔ وہ دہلیز سے ہٹ کر کمرے میں آگیا تھا۔ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھنے لگا جو اب بھی دہلیز پہ کھڑی تھی اور جواب طلب نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔" مختصر کہہ کر وہ اجنبی بن گیا تھا۔

"فہد، حرا کا بھائی ہے۔ حرا میری کلاس فیلو ہے۔ اچھی دوستی ہے۔ اس کے بھائی کو نہیں جانتی۔ حرا کے منہ سے کئی بار اس کے بھائی کا نام سنا ہے۔ وہ حرا کے لیے برتھ ڈے سرپرائز پارٹی رکھ رہے تھے تو اس لیے کال کی۔ : میں ان سے کبھی ملی نا کبھی بات ہوئی۔"

وہ خود ہی صفائی دینے کھڑی ہوگئی تھی۔ علی زریون خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے تم سے کوئی صفائی نہیں مانگی۔ نا ہی تفتیش کی کہ کس کی کال تھی؟ کون تھا؟"

وہ سنجیدگی سے کہہ کر رخ پھیر کر اپنی کتابوں سے بھری ریک کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی دو قدم اندر آئی تھی۔

"لیکن میرا فرض ہے کہ میں آپ کو ساری سچائی سے آگاہ کروں۔ اور آپ سے کوئی بھی بات پوشیدہ نا رکھوں۔"

"مرضی ہے، آپ کی ...... میں نے پابند نہیں کیا۔" وہ نروٹھے لہجے میں کہہ کر ایک کتاب نکال کر اس کے صفحات پلٹنے لگا۔ اعلا درجے کی لاتعلقی پر اشمل کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے اس کی ناراضی دور کرے۔

"آپ ناراض نا رہیں مجھ سے...... مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ مجھ سے آپ کی ناراضی برداشت نہیں ہورہی۔"

وہ بالآخر خود کو مضبوط پوز کرتی اشمل کا ضبط جواب دے گیا۔ لہجہ گلوگیر ہوتے ہوئے چہرہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔

"تمہیں پروا ہے میری ناراضی کی؟"

ہاتھ میں پکڑی کتاب دھپ سے بند کرکے ریک پر پٹخی۔ آواز پر اس کا نازک دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ ہراساں نظروں سے اس کے غصیلے چہرے کو دیکھنے لگی۔

"کس بات کا رونا ہے جو ختم نہیں ہورہا تمہارا۔ میں نے ہمیشہ اپنے جذبات تم پر عیاں کیے۔ لیکن تم نے کبھی اشارہ بھی نہیں دیا کہ تم بھی میرے لیے ایسے جذبات رکھتی ہو اور اب جب کہ میری دعائیں قبول ہوگئیں تو تمہارا رونا دھونا میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر یہ رشتہ تمہارے لیے زبردستی کا سودا ہے تو بول کیوں نہیں دیتیں...... سن کر مجھے دکھ ہی ہوگا نا، مگر وہ دکھ اس اذیت سے تو کم ہوگا جو میں اس وقت محسوس کررہا ہوں کہ تم ہمارے رشتے سے خوش نہیں ہو...... جوں جوں رخصتی کے دن قریب آرہے ہیں تمہاری اداسی بڑھتی جارہی ہے۔ اگر تمہاری زندگی میں کوئی ہے تم کسی کو پسند کرتی ہو تب بھی مجھے بتادو...... میں خود تمہاری راہ سے ہٹ جاؤں گا۔"

اس کے بازو کو جھنجوڑتے وہ طیش میں آگیا تھا۔ اشمل حیرانی سے بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی محرومی کا ماتم کررہی تھی اور وہ جانے کیا کیا منفی باتیں سوچ چکا تھا۔ آخری بات پہ اس کے ہاتھ کی سختی میں کمی آگئی تھی۔ اسے بلا کا غصہ آیا تھا۔ اپنے بازو سے علی زریون کے ہاتھ اس نے جھٹک کر ہٹائے تھے۔

"برسوں سے دھوکے میں رہے ہیں آپ میری

محبت لے اور اتنا ہی جانتے ہیں جیسے کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔" بے حد تلخ نگاہ اس پر ڈال کر وہ غصے سے بولی تھی۔

"ہاں میں نے کبھی آپ کی محبت کا جواب نہیں دیا۔ اک ایسی لڑکی جس نے بچپن سے اپنے ماں، باپ کو جانوروں کی طرح لڑتے، گالیاں دیتے دیکھا ہو اس کم سن لڑکی کے جذبات سمجھ سکیں گے آپ......؟ کم سن لڑکی کا گھر ٹوٹ گیا۔ ماں باپ اپنی اپنی جنگ میں اسے ہار گئے......

ماں پیسہ اور نیا شوہر پاکر اسے فراموش کرگئی...... ایسی لڑکی، جس کا باپ کم عمری میں ہی سوتیلی ماں لاکر اسے اپنے ہی گھر میں نوکر بنادے۔ اس کی مرضی، پسند، ناپسند کو سوتیلے بہن بھائیوں پر قربان کروایا جائے...... وہ لڑکی اپنے حق کے لیے کچھ بولنے کی ہمت رکھتی ہے......؟ اسے حق ہے کہ وہ کسی کے محبت بھرے جذبات کا جواب محبت سے دے سکے؟" اشک بہاتی وہ اس سے سوال کررہی تھی۔ اور وہ ساکت اسے دیکھے جارہا تھا۔

"میری زندگی میں آپ کی محبت ہی روشنی کی ایک کرن تھی۔ لیکن میں اسے قبولیت کا درجہ بخشنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ قسمت نے آپ کا نام مجھ سے جوڑ دیا۔ شاید قدرت کو بھی میری بے زبانی کا احساس ہوگیا تھا کہ میں کبھی اپنے حق کے لیے نہیں بول سکوں گی...... آپ جیسا ہم سفر...... تائی جان جیسی مہربان ساس، شفیق باپ کا روپ لیے تایا جان...... اور رمشا جیسی دوست کو نند کے روپ میں پاکر میں رب العزت کا جتنا شکر ادا کروں، کم ہے۔ بے شک آپ سب نے مجھے بے حد مان اور محبت دی...... مجھے کبھی کسی نے احساس نہیں دلایا کہ میں کن حالات میں رخصت ہوکر آئی ہوں......

اک لڑکی کی شادی، رخصتی کی باتیں سن کر کیا احساسات ہوتے ہیں یہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے علی زریون، جو انسان سدا لازوال رشتوں کے درمیان رہا ہو، وہ میری ٹوٹی پھوٹی شخصیت کا سراغ نہیں لگا سکتا...... باپ کی بے حسی، ماں کی لاتعلقی قدم قدم پہ احساس دلا رہی ہے کہ میں پیدا کرنے والوں کی حقیقی محبت سے محروم انسان ہوں...... محبت کرنے والے انسان مرجاتے ہیں نا تو صبر آجاتا...... لیکن جب والدین اپنی اپنی دنیا میں مگن اپنی اولاد سے لاتعلق ہوکر اسے فراموش کرجائیں۔ تب کتنی اذیت ہوتی ہے یہ آپ نہیں جان پائیں گے...... میرے سر پر نا کبھی باپ کا شفقت بھرا لمس رہا نا ماں کی فکرمند محبت...... اور اس پر ستم یہ کہ ان عظیم ہستیوں کی شان میں اف تک کی اجازت نہیں......"

وہ اپنے جذبات و احساسات اس کے سامنے رکھ کر سسک کر رو پڑی تھی...... اپنی بات مکمل کرکے پلٹنا چاہ رہی تھی، جی بھر کے اکیلے میں رونا چاہ رہی تھی لیکن اس کے ارادے بھانپ کر علی زریون نے پہلے اس کا بازو تھام لیا تھا۔ اور اب سنجیدگی سے اس کے بھیگے چہرے کو دیکھ رہا تھا اس کے لفظوں کی سچائی اس کے چہرے پر رقم تھی۔ مجبور و بے بس لڑکی جو اپنوں کے ہوتے ہوئے اپنوں کی محبت و توجہ سے محروم تھی۔ ٹھیک کہا تھا اس نے مردوں پر صبر آجاتا ہے لیکن زندوں کی لاپروائی انسان کو پل پل مارتی ہے۔ کاٹتی ہے۔ اپنوں کی بے حسی پر تڑپاتی ہے۔ اس کے جذبات و احساسات کس نہج پر تھے اور وہ الٹا سیدھا سوچ رہا تھا۔ اسے رمشا کی تیاریاں، اس کی فرمائشیں یاد آنے لگے۔ چند دن کے فرق سے دونوں شادیاں تھیں۔ رمشا کے ناز نخرے اٹھانے والے ماں، باپ، بھائی تھے۔ اس کا تو کوئی نہیں تھا۔ کچھ لڑکیاں حقیقتاً! بہت محروم نصیب لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ محبت لٹا کر اپنا آپ وار کر بھی خونی رشتوں سے انہیں خراج نہیں ملتا۔ اب جب کہ اس کے جذبوں تک رسائی حاصل ہوئی تو یہ نازک سی لڑکی اسے دل کے مزید قریب محسوس ہونے لگی۔

"بتا نہیں سکتی تھیں کہ یہ پریشانی ہے۔"

محبت سے دیکھتے وہ نرم لہجے میں گلہ کررہا تھا۔

"کیا بتاتی کہ جس لڑکی کو اپنے ہی باپ کے

PakiBooks.Site
www.PakiBooks.Site
CamScanner

گھر میں اسٹور میں سونے کو جگہ ملی تھی، آپ کے عالی شان گھر کے خوب صورت بیڈروم میں اب چین سے سوتی ہے تو بھی اسٹور میں گزری راتوں کو فراموش نہیں کرپاتی، جب اکیلے اسے ڈر لگتا تھا تو کوئی اسے اپنے ساتھ کا سہارا دینے والا نہیں ہوتا تھا...... جب لائٹ چلی جاتی تھی تو اندھیرے کے ڈر سے ساری ساری رات تکیے میں منہ چھپائے کانپتی رہتی تھی...... اور کون کون سے ماضی کے دکھ بتاؤں آپ کو جو مجھے حال میں خوش نہیں ہونے دیتے۔"

گزرے لمحوں کی اذیت کے رنگ اس کے چہرے پر آگئے تھے۔ علی زریون اک لمحے تک کچھ بول نا پایا۔ بس خاموشی سے اسے اپنے وجود کا مان بخشنے کے لیے قریب کرلیا کہ کچھ دکھوں کی کہانی جان کر ان کے لیے تسلی کے حروف چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔

"اب سے، گزرا کل یاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو ہے آج ہے۔ تم اپنی مرضی سے نئی داستان لکھو...... ماضی کو فراموش کردو" وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ اس کے بازو ہٹا کر وہ بے ساختہ دروازے کی اور دیکھنے لگی۔

"بیوی ہو کر اتنا گھبرا رہی ہو؟" بدگمانی کے بادل چھٹے تو وہ مسکرانے لگا۔

"میں جا رہی ہوں۔" چہرے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے کرتی اس کی حرکت پر خفیف سی ہوگئی تھی۔

"او کے جاؤ لیکن جلدی سے تیار ہو جاؤ تمہیں میرے ساتھ ابھی باہر جانا ہے۔" اجازت دیتے اس نے پروگرام بھی سیٹ کردیا۔

"باہر......؟" لیکن کیوں اور آپ کے ساتھ......؟" وہ اچنبھے سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"تمہارے لیے اک سرپرائز لے رکھا ہے۔ سوچا تھا شادی کے بعد دوں گا لیکن تم نے ابھی اتنا اموشنل کردیا کہ پلان چینج کرنا پڑا۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

"ایسے ہی بتا دیں سرپرائز، کیا ضروری ہے باہر جانا" وہ تذبذب کا شکار تھی یوں پہلے کبھی علی زریون کے ساتھ اکیلے کہیں نہیں گئی تھی۔

"محترمہ مسز! سرپرائز بھی کبھی بتائے ہیں......! جاؤ تیار ہو جاؤ، میں مما کو خود بتا دیتا ہوں۔"

وہ اس کی مشکل جان گیا تھا تب ہی انجم بیگم کی اجازت کا حوالہ دے گیا۔ وہ الجھن بھرے انداز میں پلٹ گئی۔

"اگر جو میں جانے سے انکار کروں تو...... پتا نہیں تائی جان میرے بارے میں کیا سوچیں۔"

وہ دوبارہ پلٹ کر پوچھ رہی تھی۔ علی زریون کو اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت پر ہنسی آ رہی تھی۔ ساتھ ہی دکھ بھی ہو رہا تھا۔ لوگوں کے رویوں کو سوچ سوچ کر اس نے اپنے لیے سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کی اپنی خوشی کس میں ہے۔

"کوئی کچھ نہیں سوچے گا۔ تم میری بیوی ہو۔ میری ذمہ داری ہو۔ اب سے تم پر اٹھنے والے سوال کا جواب میں دوں گا...... تم پرسکون ہو کر بس تیار ہو جاؤ۔"

اس کے مضبوط لب و لہجے پر اشمل جیسے پرسکون ہوگئی تھی۔ بلو سوٹ میں بالوں کو برش کر کے بالوں کی چوٹی بنا کر لاؤنج میں آئی تو علی زریون کو ان کے درمیان خوش گوار مزاج میں باتیں کرتے دیکھ کر جھجک کر رک سی گئی۔ وہ بھی تیار ہو چکا تھا۔

یہ دھلا ہوا منہ لے کر باہر جاؤ گی۔ پہلی بار میاں کے ساتھ باہر جا رہی ہو۔ ذرا سا سرخی پاؤڈر تو لگا لو لڑکی۔"

رمشا نے ہاتھ پکڑ کر اسے مقابل بٹھا کر اپنا قریب رکھا پرس کھینچ لیا۔ پرس میں ہاتھ ڈال کر اس نے دو چار چیزیں سرعت سے نکالیں اور لگی اس کے منہ پر ڈینٹ پینٹ کرنے۔ وہ پہلے ہی اس کے جملوں سے کٹی جا رہی تھی۔ انجم بیگم کی مسکراہٹ اور علی زریون کی شریر نظروں پر مزید شرمندہ ہوگئی۔

رمشا کے مشاق ہاتھوں نے جھٹ پٹ فاؤنڈیشن کے ساتھ بلشر اور لپ گلوس لگا کر اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ دبی زبان سے منع کرتی رہی لیکن رمشا کون سا اس کی سننے والی تھی۔

"کبھی کبھی خوب صورت بالوں کو کھلا بھی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ یہ بے چارے بھی سانس لے سکیں۔"

چوٹی کھول کر رمشا نے جھٹ برش پھیر دیا تو لمبے بال اس کی پشت اور شولڈر تک پھیل گئے۔ اس نے لاچار نظروں سے ارد گرد دیکھا۔

"رمشا شادی سے پہلے اشمل کو ٹرینڈ کر کے جانا۔ بالکل خیال نہیں رکھتی یہ لڑکی اپنا۔" انجم بیگم نے بھی کہا تو وہ سر جھکا گئی۔

"شکر ہے۔ آپ نے کسی چیز میں تو میری بڑائی مانی۔" رمشا تعریف پر چہکنے لگی۔

"جاؤ لڑکی مزے کرو۔ ویسے تمہیں بھیجا تو میں نے سر دبانے کے لیے تھا۔ تم تو پٹی ہی پڑھا آئیں۔ میرے بھائی کو......"

رمشا کی شوخی پر علی زریون بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔ انجم بیگم بھی مسکرا کر رمشا کی پیٹھ پر دھپ لگا بیٹھیں اٹھتے ہوئے اس کے قدم مزید من بھر کے ہوگئے۔ لاؤنج سے نکل کر اس نے اشمل کا ہاتھ تھام لیا تو وہ خاموشی سے اس کے سنگ چلنے لگی۔

☆☆☆

"کیسا لگا اپنا گھر......؟" وہ اسے اک اک چیز چیک کروا رہا تھا۔ اور وہ شوق سے دیکھ رہی تھی۔

"اپنا گھر......؟" اس کی کجراری آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا تھا۔

"یہ گھر تمہارے لیے لیا ہے۔ سرپرائز تھا اس لیے تمہارے نام پر ٹرانسفر نا کروا سکا۔ جلد ہی یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا۔ کل کو جب تم مجھ سے لڑو گی تو دھمکی تو دے سکتی ہو کہ اپنے گھر جا رہی ہوں۔"

وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا بھی نا سکی۔ اس کی کم مائیگی کو وہ کتنی خوب صورتی سے دور کر لیا تھا۔

"میں نہیں دوں گی کبھی دھمکی، نا کبھی چھوڑوں گی آپ کو۔" وہ سنجیدگی سے اعتراف کر گئی تو اس کے اندر ڈھیروں سکون پھیل گیا۔

"جانتا ہوں، میری پگلی بھلے منہ سے اقرار نا کرے مگر محبت بہت کرتی ہے۔" وہ بے ساختہ اس کے شانے پر بازو پھیلا گیا۔

"کوئی نہیں۔" وہ شرما کر جھٹلا گئی۔

"تائی جان یا کسی کو برا نا لگے۔ آپ کو اتنا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میرا گھر وہی ہے جہاں آپ سب ہیں۔"

وہ دل کا خدشہ زبان پر لے آئی۔ کہ زمین، جائداد ہی اکثر رشتوں کو کھا جاتے ہیں۔

"کوئی کیوں اعتراض کرے گا۔ میں جو چاہوں اپنی بیوی کو تحفہ دوں...... کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سب کے علم میں ہے کہ میں نے اپنی عزیز بیوی کے لیے گھر لیا ہے۔ تم فضول سوچوں سے دور رہا کرو۔ کہا نا۔ اب سے تمہاری طرف آنے والے ہر سوال کا جواب میں دوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

وہ شجر سایہ دار بنا اپنی ذات کا یقین دلا رہا تھا۔ اس کا تفکر بھی کسی حد تک دور ہو گیا تھا۔ واپسی میں ڈنر اور شاپنگ کرنے کے دوران اسے دیر ہونے کی فکر ستا رہی تھی مگر وہ جلدی کے موڈ نہیں تھا۔ ہر چیز لے کر ہی لوٹا تھا۔

☆☆☆

رمشا کے سسرال سے عیدی آئی تو پھر جانے کی بھی تیاری ہونے لگی۔ اس میں بھی رمشا نے ہر چیز اپنی پسند سے سو سو نخرے کر کے سسرالیوں کے لیے بھیجی۔ انجم بیگم کی لائی چیزیں واپس کروائیں جس پر انجم بیگم نے ایک بار پھر اعلان کیا کہ وہ اب سے کبھی رمشا کے لیے کچھ پسند نہیں کریں گی۔ گو کہ عید کے لیے اس کے پاس کئی سوٹ تھے۔ انجم بیگم نے شاپنگ کروائی تھی۔ علی زریون نے ساری چیزیں

PakiBooks.Site
www.PakiBooks.Site
CamScanner

دلوادی لیکن ان کا دل پھر بھی جانے کیوں اداس تھا۔

اور جب غیر متوقع اس کے نام پارسل آیا تو احمد صاحب کا نام دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔ عید اور عید سے جڑی عیدی، بیٹیوں کے لیے کتنی خوشیوں، کا سامان لے کر آتے ہیں یہ کوئی اس سے پوچھتا۔ ثانیہ کو تو وہ بھولے سے بھی کبھی تہواروں پر یاد نہیں آئی تھی۔ ہاں باسی عید پر ان کا پیغام آجاتا تھا وہ بھی سرسری سا، جیسے سب کو کر رہی ہوں اور اسے بھی ساتھ کر دیا ہو۔

پارسل سے نکلتے سوٹ، چوڑیوں، مہندی، جوتوں اور جیولری کو وہ ساتھ لگا لگا کر دیکھ کر خوش ہو رہی تھی اور سب اس کی خوشی دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

''میرے بابا اتنے برے نہیں جتنا میں سوچتی ہوں۔'' خود کو باور کرواتی وہ رات ان کا نمبر ملا گئی۔ تا کہ ان کا شکریہ ادا کر سکے۔ اور جب شکریہ کے جواب میں احمد صاحب نے حیرانی کا اظہار کر کے کوئی بھی پارسل کے بھیجنے سے لاعلمی کا اظہار کر کے انکار کیا تو اس کا سارا جوش، خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ احمد صاحب فون بند کر چکے تھے۔ اور وہ سیل فون کان سے لگائے اک لمحے میں جان گئی کہ یہ حرکت کس کی ہے۔

اگلے ہی لمحے وہ علی زریون کے دروازے پر کھڑی تھی۔

''خیریت ہے مسز......! اس وقت کیسے یاد آئی......؟'' وہ شوخی سے دروازے کے فریم میں جم گیا۔

''اندر تشریف لائیے، اپنا ہی کمرا سمجھیں۔'' وہ شریر ہو رہا تھا۔

''پارسل آپ نے بھیجا ہے نا، تا کہ باپ کی طرف سے ملنے والی عیدی پا کر میں خوش ہو جاؤں؟'' وہ سنجیدگی سے دریافت کر رہی تھی اور بات اک دم سے کھل جانے پر علی زریون کے لبوں سے مسکراہٹ اک پل کو غائب ہو گئی۔

آئندہ سے ایسی کوئی حرکت نا کیجیے گا کہ سچ کھلنے پر میں مزید ٹوٹ جاؤں کیونکہ کچھ لوگ جھوٹ بول کر بھی خوشی نہیں دے سکتے۔''

ٹوٹے بکھرے لہجے میں وہ احمد کا لہجہ یاد کر رہی تھی صفا چٹا انکار کر کے انہوں نے کیسے جھٹ سے فون بند کر دیا تھا۔ پیچھے سے نعیمہ کی آواز آرہی تھی کہ اب بیٹی کو کیوں یاد آرہی ہے۔

علی زریون نے اسے خوشی دینے کو احمد صاحب کے نام کا سہارا لیا کہ میکے کی طرف سے آنے والی عیدی پا کر لڑکی خوش ہوتی ہے لیکن افسوس کے احمد صاحب جھوٹ بول کر بھی اسے خوشی نا دے سکے۔ اپنی بات کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ علی زریون کو بھی افسوس ہونے لگا کہ اسے احمد صاحب کو اعتماد میں لے لینا چاہیے تھا۔ لیکن جانے وہ اشمل کو جھوٹی خوشی دینے پر بھی راضی ہوتے یا نہیں۔

☆☆☆

انجم بیگم نے افطار ڈنر پر احمد صاحب نعیمہ اور ان کے بچوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ اس نے کئی ڈشز دونوں کی پسند کی بنائیں۔

انجم بیگم کو بھی وقتاً فوقتاً احساس دلاتی رہی کہ یہ نا بنوائیں، کسی کو پسند نہیں، انجم بیگم نے بھی اس کی ہدایت کی روشنی میں کام کیا تھا۔ وہ لوگ افطار سے چند منٹ قبل آئے تھے کہ آذان شروع ہو گئی۔ دونوں ہی اجنبی بنے ہوئے تھے۔ بہن بھائی بھی الگ تھلگ تھے۔ ان سے مل کر اس کا دل مزید بوجھل ہونے لگا۔ احساس و محبت کی گرمی ڈھونڈے سے نہیں مل رہی تھی۔ حالانکہ وہ مہینوں بعد مل رہی تھی۔

''یہاں آکر تم تو بھول ہی گئیں باپ کو...... پچھلے دنوں اتنی طبیعت خراب تھی ان کی ...... وہ تو میری بیٹیوں نے راتیں جاگ جاگ کر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں تو بخار ٹوٹا ان کا...... تمہیں تو باپ کی پرواہ ہی کوئی نہیں...... مست ہو نکاح کر کے......''

نعیمہ نے جی بھر کے سنایا تھا۔ سب ہی ایک پل

خراب ہے بابا کی۔''

وہ مجرموں کی طرح اعتراف کر گئی کہ واقعی اس سے بڑی غلطی ہو گئی ہے۔

''اپنوں سے ملنا، جلنا، فون پہ باتیں کرنا، آپ کو پسند نہیں، چچی جان...... اب منادی تو نہیں کروائی آپ نے کہ ہمیں علم ہو جاتا کہ چچا جان کی طبیعت ناساز ہے آپ تو ہمیں اپنا سمجھتی ہی نہیں چچی جان پھر اس بے چاری سے گلہ کیوں کر رہی ہیں۔ جو لاعلم ہے...... اب سے یہ میری ذمہ داری ہے۔ کبھی بھی میری، اشمل کی ضرورت پڑے، بتائیے، حاضر نا ہوں تو الزام لگائیے......''

علی زریون کے بھگو کر جوتا مارنے پر نعیمہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

''اپنوں کو بتانے کی ضرورت کب ہوتی ہے، وہ تو خود باخبر ہوتے ہیں۔'' نعیمہ نے بھی ہارنا نہیں سیکھا تھا۔

''اپنوں کے پاس سفلی کا کالا علم جو نہیں ہے چچی جان، بتانا تو پڑے گا۔''

علی زریون کے سنجیدگی سے دیے جواب پر رمشا کو ہنسی تو بہت آئی مگر وہ ضبط کر کے اشمل کو ٹہوکا دے کر اس کے کان میں گھس گئی۔

''دیکھو ذرا اپنے میاں کو، کیسے تمہاری طرف داری کر رہا ہے۔'' وہ بے ساختہ اسے ہی دیکھے جا رہی تھی جو اس کا محرما تھا۔ جو لفظوں سے نہیں عمل سے محبت جتاتا تھا۔

☆☆☆

روزے بخیر و خوبی گزر رہے تھے۔ ساتھ ہی شادی کی تیاریاں بھی زور پکڑ گئی تھیں۔ بالآخر چاند نظر آگیا۔ اور نئی صبح عید کی نوید لے کر آگئی۔ عید کا دن کچھ سستی اور کچھ مہمانوں کی آؤ بھگت سے گزر گیا اور بالآخر شادی کا دن بھی آہی گیا۔

محرومیوں بھرا ماضی چھوڑ کر اس نے خوشیوں بھرے حال اور مستقبل میں قدم رکھ دیا۔ شادی میں

www.PakiBooks.Site

صرف دنیا دکھاوے کو مہمان بن کر آئے تھے۔ ثانیہ کے بچوں کے پیپرز چل رہے تھے۔ اک ہی شہر میں رہتے ہوئے انہوں نے شادی میں آنے سے معذرت کر لی تھی۔ دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی وہ ملول ہوتی تو علی زریون چپکے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکرانے پر زور دیتا۔

گزرتے وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ کتنا اچھا ہم سفر ہے۔ اس کا ماضی نہیں بدلا تھا۔ نا ہی ماضی کے لوگ بدلے تھے۔

اس کے احساسات بھی نہیں بدلے تھے جو ہمہ وقت آس لگائے بیٹھے رہتے تھے کہ شاید اب انہیں احساس ہو جائے۔ شاید اب وہ پلٹ آئیں۔ مگر وہ انجان تھی کہ کچھ لوگ بے حسی کی کوکھ سے ہی جنم لیتے ہیں اور اسی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ انہیں احساس دلانے والا سر پٹخ پٹخ مر ہی کیوں نا جائے۔ وہ بے حسی کی نگری سے نہیں پلٹتے......

ان کی شادی کو سال ہونے والا تھا۔ ننھا ارسم ان کی دنیا کو مکمل کرنے آگیا تھا۔ دادا، دادی کی آنکھ کا تارا تھا تو ان دونوں کا قرار، رمشا کا پہلا پیار...... رمشا بھی اپنے سسرال میں خوش تھی اس کی ڈلیوری عید کے بعد متوقع تھی۔ پتا ہی نہیں چلا تھا اور رمضان المبارک اک بار پھر آگئے تھے۔ پھر سے وہی سحر و افطار کی رونقیں تھیں۔ کمی تھی تو رمشا کی جو سسرال میں تھی۔ اور کچھ نیا تھا تو ارسم کے ساتھ ان سب کا پہلا رمضان۔

''یہ لڑکی ناپاگل کر دے گی مجھے...... پہلے روزے سے عیدی کب لے کر آئیں گی کی رٹ لگائی ہوئی ہے۔''

وہ ارسم کو فیڈر پلا رہی تھی جب انجم بیگم، رمشا کی کال سے فارغ ہو کر اسے بتانے لگیں۔ وہ بھی مسکرا دی۔ رمشا اسے بھی کئی بار فون کر کے چیزیں لکھوا چکی تھی کہ عیدی میں یہ بھی ہو، وہ بھی ہو۔

فیڈر رکھ کر ارسم کو کندھے سے لگا کر تھپک رہی تھی تا کہ ڈکار لے لے...... تب ہی اس کے نمبر پر

رمشا کی کال آنے لگی۔

"رمشا کی کال ہے۔" ..... وہ اسکرین کی طرف دیکھتے مسکرائی۔

"لاؤ ارسم کو مجھے دو..... سن لو بے چین روح اب کیا کہہ رہی ہے۔ سوچ ہی ہوں کل ہی عیدی لے کر پہنچ جاؤں، کم از کم اس کی روز، روز کی دس فرمائشی کالز سے تو جان چھوٹے گی۔"

انجم بیگم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کال کس لیے تھی۔ وہ مسکرا کر کال ریسو کر گئی اور انجم بیگم کا اندازہ درست ثابت ہوا۔

"اشمل، یار مما جب شاپنگ پر جائیں تو تم بھی ساتھ چلی جانا۔ اور دیکھو کچھ نا بھولنا، چھوٹے دیور کا جوڑا بھی ضرور لینا۔ اور اس کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ بھی لے لینا..... اعتکاف میں بیٹھے گانا، بھلے ماموں کا گھر، سسرال ہے لیکن سسرال تو سسرال ہے نا..... اور مما میرے لیے چار جوڑے لا رہی ہیں۔ دو تین جوڑے داماد کے لیے بھی مزید لینے کو کہہ دو..... الحمدللہ پیسوں کی کی تو کوئی تنگی نہیں نا ہمارے گھر....." رمشا بہت بے چین لگ رہی تھی۔

"تم فکر نا کرو۔ ہم بہت اچھی عیدی لے کر آئیں گے۔ کہو گی تو تمہارے اور رامس بھائی کے دس جوڑے بھی رکھ لیں گے۔ سارے سسرالیوں کا جوڑا ان کے لیے گفٹ، میوے بھی لے چکے ہیں۔ بس آنے سے پہلے فروٹس اور فریش کھجلہ، پھینیاں منگوالوں گی۔"

اشمل نے تفصیلات بتا کر تسلی دی۔

"لو اور سنو دس جوڑے..... پوچھنا ذرا عیدی منگوا رہی ہے یا جہیز کے جوڑے دوبارہ تیار کروا رہی ہے۔ پہلے تو ماں کی لائی ہوئی چیزوں میں سو سو کیڑے نظر آتے۔"

پاس بیٹھی انجم بیگم ارسم کو کندھے سے لگا کر تھپکتے ہوئے اونچی آواز سے کہہ رہی تھیں۔

"ماں سے دور ہو کر ہی تو احساس ہوتا ہے بھلے جتنی اچھی سسرال ہو۔ جتنا اچھا میاں ہو لیکن لڑکی کے میکے سے اک مٹھائی کا ڈبا بھی آئے تو سسرال میں میکے کی واہ واہ ہوتی ہے کہ لڑکی لاوارث نہیں اس کا والی وارث ہے اور عیدی کا میں بار بار اس لیے کہہ رہی کہ دیورانی کی عیدی آئی تو وہ اکڑی گھوم رہی ہے۔ میرے سسرال والے ذرا تحفے لے کر خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔ وہ بھی خوش ہو جائیں گے اور میرے میکے کی دھاک بیٹھے گی تو میری ہی عزت سسرال میں بڑھے گی۔ دیورانی کے گھر سے معمولی چیزیں آئیں تو سب نے ناک منہ دکھایا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری سبکی ہو۔ مما کو سمجھا دینا۔ تم سمجھ رہی ہو نا اشمل!"

انجم بیگم کی باتیں سن کر رمشا کہہ رہی تھی۔ اور اس کے اندر درد کے تار جھنجھنا رہے تھے۔

"سچ ہی تو کہہ رہی تھی وہ ..... گو کہ آج تک اسے کسی نے احساس نہیں دلایا تھا کہ اس کے میکے سے آج تک اک سوئی نہیں آئی۔ مگر کوئی کہے نا کہے اس کے اندر یہ بات مین کی طرح چبھتی تھی۔

اس کی پہلوٹھی کی اولاد کو دیکھنے کے لیے اس کی ماں کو فرصت نہیں ملی تھی۔ آنے کی نازک وقت میں بیٹی کو ذہنی اور روحانی طور پر ماں کی کمی کس قدر محسوس ہوتی ہے وہ اس سے انجان تھیں۔ اصل سے سود پیارا ہوتا ہے، انہوں نے اس خیال کی بھی دھجی اڑا دی تھی۔ ہاں تصویریں واٹس ایپ کر دو کہہ کر فرض پورا کر دیا تھا۔ احمد صاحب غیروں کی طرح ارسم کے ہاتھ پر چند سو رکھ گئے تھے۔ منہ دکھائی کے نام پر..... ایسے وقت میں لڑکی کے میکے سے لڑکی اور اس کے بچے کے لیے کتنی تیاریاں ہوتی ہیں کیا کچھ آتا ہے۔ کیسا سلوک ہوتا ہے وہ اس سے انجان تھی۔

ہاں علی زریوں نے ہر چیز حد سے بڑھ کر کی تھی۔ ارسم کا تحفہ ملنے پر اس نے ڈائمنڈ کا سیٹ گفٹ کیا تھا۔ وہ آج بھی اتنا اچھا تھا جتنا کبھی پہلے.....

رمشا کی عیدی اس نے مزید اچھی بنائی تھی اور جب دے کر لوٹی تو رمشا رات فون کر کے اس سے

محبت و لگاوٹ کا اظہار کر رہی تھی کہ اس نے اچھی چیزیں بھیج کر اس کا مان بڑھا دیا۔

اور اسی شام اپنے نام کا پارسل پا کر وہ اک پل کو حیران ہوئی اگلے پل علی زریون کا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ شخص ہمیشہ ہی اسے خوش کرنے کے جتن کرتا رہتا تھا۔ اندر سے سوٹ، میچنگ کی تمام چیزیں نکلیں تو وہ اس کی محبت پر سرشار ہو گئی۔ اپنے تئیں وہ اس کی محرومیوں کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"بہت شکریہ! عیدی بہت اچھی ہے۔"

رات کو ارسم کو سینے پر لٹائے اس سے کھیل رہا تھا تو وہ بھی چپکے سے آ کر پہلو میں لیٹ گئی۔

"مہربانی آپ کو چیزیں پسند آئیں۔" وہ مسکرا کر اسے قریب کر گیا۔

"کیوں کرتے ہیں آپ ایسی حرکتیں؟" وہ ناز سے سوال کر رہی تھی۔

"کیونکہ محبت کرتا ہوں تم سے ..... میں نہیں چاہتا۔ میری بیوی کا دل کسی بھی وجہ سے ملول ہو۔"

"مجھ جیسی لڑکیاں تو بے شمار ہوں گی جو خوشیوں کے تہواروں میں کہیں مرحوم والدین کی کمی پر روتی ہوں گی تو کوئی میری طرح زندوں کی بے حسی پر تلملاتی ہوں گی۔ لیکن مجھ جتنی خوش قسمت لڑکیاں بہت کم ہوں گی۔ جنہیں آپ جیسا اچھا شریک سفر ملا ہو۔ بہت شکریہ میری زندگی میں آنے کا..... میری زندگی میں خوشی کا وجود آپ کے دم سے ہے..... اک مہربان ہم سفر کسی نعمت سے کم نہیں۔"

وہ بہت عقیدت و محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس نے اس کی پیشانی پر اپنی محبت ثبت کر دی تھی۔

ارسم کی کھلکھلاتی آواز میں غوں غاں ارسم کی محبت بھری نظر اس کی دنیا مکمل ہو گئی تھی۔ علی زریون نے اس کی محروم زندگی میں خوش گوار رنگ بھر دیئے تھے۔

"اس بار چاند رات کو باہر چلو گی؟"

"کیوں، اس بار کیا خاص بات ہے؟" جاننا چاہتی ہوں۔

"ایویں، آوارہ گردی کریں گے۔ شاپنگ، ڈنر، پھر تم مہندی لگوا لینا....." وہ پلان سنا رہا تھا۔

"اور ارسم صاحب.....!" یاد دلایا کہ اس پروگرام میں اس کا کہیں ذکر نہیں تھا۔

"اسے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ ماں کے پاس چھوڑ دوں گا۔ وہ دیکھ لیں گی۔ اب آ گیا ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ اس کی ماں کو چند گھنٹوں کے لیے بھی اکیلا لے کر گھوم پھر نا سکوں۔ کیوں بھئی..... لے جاؤں تمہاری ماں کو اجازت ہے؟"

وہ شوخی سے کہتے بیٹے کے نخرے اٹھا رہا تھا۔ بیٹا بھی خوب اچھلنے لگا تھا۔

"دیکھا کتنا خوش ہو رہا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی۔ ظالم ماں سے آزادی ملے گی۔ تھوڑا بڑا ہوا تو دیکھنا خود کہے گا آپ کی بیوی کے ساتھ میرا گزارا نہیں۔ دوسری مما لا کے دو۔" وہ چھیڑ رہا تھا۔

"ہاں تو بیٹے کی فرمائش پر لے آئیے گا۔ دونوں کے مزے۔" وہ ہنستے ہوئے اس کے بال کھینچ گئی۔

چاند رات کو شاپنگ کرتے، چاٹ، دہی بڑے انجوائے کرتے باہر ڈنر کر کے واپسی میں مہندی لگوا کر لوٹی ارسم کو انجم بیگم سلا چکی تھیں۔ صبح عید تھی۔ خوشیاں تھیں، لیکن ہزار خوشی کے بعد بھی اس کے اندر سے اپنوں کی بے حسی کا دکھ نہیں مٹتا تھا۔ علی زریون بہترین ہم سفر تھا۔

ہر گھڑی اس کی خوشیوں کے لیے سامان پیدا کرتا رہتا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا۔ جن لڑکیوں کے میکے میں کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں ہوتا سسرال میں ہزاروں خوشیاں پا کر بھی عید کی خوشیوں میں وہ اپنی آنکھوں کا گیلا پن ضرور چھپاتی ہیں..... اس کی آنکھیں بھی نم تھیں لیکن لب مسکرا رہے تھے۔

☆☆

www.PakiBooks.Site